

Pachtava

[حیات انسانی میں دکھ سکھ آتے ہی رہتے ہیں۔ زندگی اسی سے عبارت ہے۔ ہمارے جیون میں بھی ایک وقت ایسا آیا جب بھائی تعلیم چھوڑ کر ملازمت (xao) کرنے کے بارے میں سوچنے لگے۔ والد صاحب بوڑھے تھے۔ صحت دن بہ دن گرتی جا رہی تھی۔ وہ اچانک بیمار پڑ گئے۔ دکاندار کی سے جو قلیل آمدنی ہوتی تھی، اسی سے گزارا چل رہا تھا۔ بیماری کی وجہ سے ابا اب سارا دن دکان پر نہ بیٹھ سکتے تھے۔ جس روز افاقہ ہوتا، دکان کھول لیتے، دو چار گھنٹے بیٹھتے، شام سے کچھ پہلے بند کر کے بستر پر رہتے ہوئے بستر سے ہی لگ گئے۔ ادھر دکاندار تو مستقل وقت دینے سے ہی ہوتی ہے ورنہ گاہک کسی اور دکان کا رخ کر جاتے ہیں اور گاہکی کا رشتہ ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے۔ ابا کو گاروبار کے بند کرنے کا بہت دکھ تھا۔ انہوں نے کریانہ کی بیویاری میں بہت محنت کی تھی۔ جب گھر کی گاڑی دھچکے کھانے لگی۔ تین کی بجائے چولہا بھی دو وقت چلتا، پھر بھی ابا نے کلیم کو سمجھایا کہ جوں توں یہ وقت کٹ جائے مگر تم تعلیم نہ چھوڑو، ہم تنگی نرشی سہ لیں گے۔ انسان ایک وقت کی روٹی کھا کر بھی زندہ رہ جاتا ہے لیکن غریب آدمی کے لئے بیماری کے اخراجات برداشت کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ مجبوری یہ کہ انسان اپنے پیارے کو انکھوں کے سامنے مرتے بھی نہیں دیکھ سکتا۔ نبھی بھائی نے بڑی تگ و دو کے بعد ایسی نوکری تلاش کر لی کہ صبح کالج اور رات کو ملازمت کرتے تو پھر سے گھر کا گزارا چلنے لگا۔ محنت سے میرے بھائی کی صحت پر اثر پڑنے لگا۔ جو باپ کا اکلوتا بیٹا ہو اور کبھی زندگی میں قبل ازین مشقت کی چکی کا ہتھا نہ بھیرا ہو، اس کے لئے دگنی محنت ایک مشکل کم سے کم نہ تھی۔ کلیم جلد حالات سے گھبرا گیا۔ کہتا آیا! جی کرتا ہے کہیں نکل جائوں، زندگی ایک گھٹارا مشین لگنے لگی ہے۔ میں کلیم کو تسلی دیتی۔ بھائی! ہمت نہ ہارو، تعلیم کے یہ چند سال گزر جائیں گے۔ اس کے بعد تمہاری منزل آسان ہو جائے گی۔ تم ایسا کرو، کبھی کبھی چھٹی کے دن دوستوں کے ساتھ سیر و تفریح کو چلے جایا کرو۔ سیر و تفریح پیسے کے بغیر نہیں ہوتی۔ دوست چار روپے خرچ کریں گے تو دوروپیے مجھ کو بھی ان پر خرچ کرنا پڑیں گے۔ ہاں! کہنے تو تم ٹھیک ہو۔ ایسا کرو کہ خالہ صفیہ کے پاس چلے جایا کرو۔ میری یہ ایک ہی خالہ نہیں جو خاصی امیر تھیں۔ امی بھی کبھی وہاں چلی جاتیں تو میں بھی ساتھ ہو لیتی۔ وہ اڑ بھگت کرتیں۔ کچھ دکھ سکھ ان کے ساتھ بانٹ لینے سے جی شاداب ہو جاتا۔ کلیم بھائی کو ان کے گھر جانا بھی گراں ہوتا کہ وہاں جا کر ان کے بڑبولے بچوں کے درمیان ان کو احساس محرومی ستانے لگتا تھا۔ بار بار میرے کہنے سے ایک دن وہ خالہ کے پاس جانے کو تیار ہو گئے۔ میں نے کہا کہ مجھے بھی ساتھ لے چلو، میں فائزہ سے مل لوں گی۔ اتوار کے روز ہم بہن بھائی، خالہ صفیہ کے گھر چلے گئے۔ خالہ نے عزت سے ہٹھایا۔ خاطر مدارات کی ہم نے گھر کے تنے بونے ماحول سے نکل کر خود کو خوشگوار ماحول میں پایا۔ اتنے میں اسکول سے خالہ کی چھوٹی بیٹی لبنی آگئی۔ لبنی اپنی ماں کی لاٹلی تھی۔ اس وقت وہ اپنے اسکول کے فٹکشن سے آئی تھی۔ خوبصورت لباس میں ملبوس، بنی ٹھنی ہوئی، مجھ کو صفیہ کے ساتھ باتوں میں مشغول پا کر اس نے کلیم بھائی کی طرف رخ کر لیا۔ بولی۔ کلیم بھائی! آپ ہمارے گھر بہت دنوں بعد آئے ہو، خیر تو ہے؟ ہاں! خیر ہے، خدا کا شکر ہے۔ خالہ سے ملنے چلا آیا۔ بولی۔ بھائی کا جواب سن کر وہ اسے گہری نظروں سے دیکھنے لگی۔ کیا دیکھ رہی ہو مجھ میں اس قدر غور سے؟ یہ دیکھ رہی ہوں کہ تم ہر بار ایسے ہی کیڑوں میں آتے ہو۔ کیا تمہارے پاس بس یہی ایک جوڑا ہے اور کیڑے نہیں ہیں؟ اگر ایسی بات ہے تو کہو، ایک دوٹوے جوڑے میں ہی تم کو بنوا دوں؟ کس خوشی میں؟ بھائی نے کہا۔ ارے بھئی! میرے سر کے صدقے پہن لینا۔ اس کے یہ توہین آمیز الفاظ سن کر کلیم بھائی کا چہرہ غصے سے لال ہو گیا۔ مجھ سے کہا۔ میں جارہا ہوں ملیحہ! تم نے چلنا ہے تو چلو ورنہ بعد میں خود آجانا۔ خالہ روکتی رہ گئیں مگر کلیم نے رکا اور انا فانا ان کے گھر سے نکل گیا۔ وہ تو گیا تھا اپنی طبیعت کو ہلکا پھلکا کرنے اور وہاں جاکر دل پر منوں بوجھ اور پڑ گیا۔ امی اور بڑی باجی شام کو خالہ کے گھر جا کر مجھ کو لینے آئیں۔ واپسی پر کلیم کو ہی برا بھلا کہا کہ تم کو خالہ روکتی رہ گئیں اور تم فوراً ہی ان کے گھر سے نکل آئے، کیوں تم نے خالہ سے اتنی بد تمیزی کی، ان کا کہنا نہ سنا اور گھر آ گئے، کیا گھر بھاگا جارہا تھا۔ کیا آپ کو کسی نے نہیں بتایا کہ ان کی صاحبزادی لبنی نے کیسی باتیں کہیں مجھ سے...؟ اس نے تو مذاق کیا تھا تم سے۔ میٹرک کی لڑکیاں ہوتی ہی ایسی لا ابالی ہیں۔ تمہاری خالہ تم کو داماد بنانے کا سوچ رہی ہیں اور تم ہو کہ ان کو خفا کر کے آگئے۔ باجی نے انکشاف کیا۔ پگلے لڑکے! اگر انہوں نے تم کو داماد بنا لیا تمہاری تو قسمت کھل جائے گی، خواہ مخواہ ذرا سی بات پر غصہ کر رہے ہو۔ مجھ کو نہیں کھلوانی اپنی قسمت۔ ایسی بد تمیز لڑکی کے ساتھ قسمت کھلے گی یا کہ پھوٹ جائے گی۔ کلیم کا غصہ دوچند ہو گیا۔ میرے بھائی کا کہنا صحیح تھا۔ امی کو میں نے سمجھایا۔ ان کا ہمارا میل نہیں ہے، یہ رشتہ بے جوڑ رہے گا۔ اول تو ایسا ممکن نہیں ہے۔ ایسا ہوا بھی تو کیا لبنی! ہمارا گھر آباد کر سکے گی۔ ہمارے گھر کی غربت میں تو اس کا سانس بھی لینا دشوار ہو گا۔ یہاں وہ کب رہے گی، کلیم کو تو وہ گھر داماد بنالیں گے۔ باجی... کیسی باتیں کرتی ہو۔ بھیا کیوں ہونے لگے گھر داماد۔ کیا آپ ان کا مزاج جانتی نہیں اور کیوں بنیں وہ ان کے گھر داماد جبکہ ہمارا اکلوتا بھائی ہے۔ ماں باپ کو بڑھاپے میں بیٹا چھوڑ جانے تو ان کی کون سی راہ ہے۔ میں نے باجی کو قائل کرنے کی کوشش کی تاکہ یہ بڑھ چڑھ کر اپنے بھائی کا رشتہ لبنی سے جوڑنے کی کوشش سے باز رہیں۔ امی کہنے لگیں۔ بیٹی، دراصل آج کل شریف لڑکوں کا ملنا مشکل ہے۔ خالہ، کلیم کے بارے سوچ رہی ہیں، پیسے کی ان کو کمی نہیں ہے، نیک داماد چاہئے بس! وہ تو بیٹی کو اتنا دینے کا سوچ رہی ہیں کہ پھر ان دونوں کو کسی شے کی ضرورت ہی نہ رہے گی۔ میں امی سے بحث نہ کرنا چاہتی تھی سو خاموش ہو گئی۔ چند روز گزرے کہ ایک روز ہمارے گھر میں دھماکا ہو گیا۔ ہم حیران کہ یہ ابو کو کیا ہو گیا ہے، آخر کیوں اتنے غصے میں ہیں۔ تبھی انہوں نے کلیم کو بلا کر پوچھا۔ یہ بتائو مجھے کہ تم اتنی غلط جگہ کیوں گئے تھے کہ جہاں شریف لوگ نہیں جاتے؟ والد کی بات سن کر امی اور ہم ساری بہنوں کو سانپ سونگہ گیا۔ غربت، اس پر وہ بازار تجھ پر خدا کی مار! ابا میں نہیں گیا، میں غلط جگہوں پر نہیں جاتا۔ والد صاحب کو یقین نہ آیا مگر خاموش ہو رہے۔ کلیم بھائی نے صحیح نہیں کہا تھا۔ ان کی پیشانی پر پسینہ آ گیا تھا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ دائیں میں کچھ تو کالا ہے۔ لیکن کس بیٹے کو حوصلہ ہوگا کہ باپ کے سامنے ایسی بات کے بارے میں سچ بولے۔ کلیم صحیح بات بتا بھی دیتا تو ابا کب یقین کرنے والے تھے۔ صحیح بات تو بعد میں پتا چلی۔ دراصل کلیم کے ایک استاد کی بوڑھی پھوپھی دمے اور سانس کی مریضہ تھی۔ کسی نے کہا کہ چنے کے برابر افیون کھلانے سے کھانسی اور دمہ کی بیماری میں افاقہ ہوگا۔ پس بطور دوا ان کو کچھ دنوں کھلائی جاتی رہی جس سے غنودگی ہو جاتی اور وہ سوجائیں لیکن گھروالوں کو یہ

بن آئے گی۔ استاد اندازہ نہ تھا کہ ان کو اس نشے کی ایسی لت لگ جائے گی کہ بغیر افیون لئے پھر ان کی جان پر صاحب اپنی اس پھوپھی سے بہت پیار کرتے تھے کہ اسی خاتون نے ان کو بچپن میں پالا تھا۔ اب جو وہ نشے کی طلب میں مابی ہے اب کی طرح تڑپیں ، ان کی تکلیف استاد سے دیکھی نہ جاتی تھی۔ یہ چیز بازار میں تو آسانی سے ملتی نہ تھی اور افیون کا نشہ اتنا برا تھا کہ نہ ملنے پر دم گٹھنے لگتا تھا۔ ایک اس بازار کی عورت سے استاد کی کبھی جان پہچان رہی تھی۔ سو اسی ادھیڑ عمر سے یہ افیون کی گولی منگواتے اور بدلے میں یہ عورت ان سے مے نوشی کے واسطے ایک بوتل لے لیتی تھی۔ چونکہ شراب تو مل ہی جاتی تھی لہذا وہ یہ ایک بوتل اس کو عنایت کر کے اور ایک گولی اپنی پھوپھی کے لئے حاصل کرتے۔ اب مسئلہ یہ تھا چونکہ تدریس کے پیشے سے وابستہ تھے لہذا خود اس جگہ جانے سے گھبراتے کہ اگر کسی نے دیکھ لیا تو عزت کے ساتھ نوکری کے جانے کا بھی خطرہ تھا۔ ان کو بے شمار لوگ مع ان کے شاگردوں کے جانتے تھے لہذا انہوں نے سیدھے سادے اپنے شاگرد یعنی میرے بھائی کلیم کو ایک ضرورت مند لڑکا جان کر یہ کام اس کو سونپا اور کہا۔ اگر تم روز وہاں جا کر جہاں میں تم کو بھیجوں ، ایک عورت سے ڈیبا میں دوا لا دیا کرو تو میں نہ صرف تمہاری فیس معاف کر دوں گا بلکہ تم کو پڑھنے میں بھی مدد دوں گا۔ کلیم بے چارہ غربت کے ہاتھوں مجبور تھا لہذا استاد کے اس غلط کام کا بیڑہ اٹھا لیا۔ وہ نہیں سمجھ سکا کہ منشیات خواہ چنے برابر ہو ، اس کو لانا لے جانا، جرم ہے۔ لہذا ایک چچازاد مہرروز ، ایک بگڑا ہوا امیر زادہ دولت لٹانے اور تماش بینی کو چند اوباش دوستوں کے ہمراہ اسی رسوائے زمانہ جگہ جایا کرتا تھا جہاں استاد کی خاطر دوا کی ڈیبا لینے کو جس میں افیون کی گولی ہوتی ، کلیم بھی جایا کرتا تھا۔ لہذا مہرروز نے کئی بار کلیم کو اس بدنام زمانہ محلے میں آتے جاتے دیکھا تھا۔ اس نے خالہ کو بتایا کہ آپ کا بھانجا غلط راہ پر لگ گیا ہے ، کہیں اس کے ساتھ بیٹی کا رشتہ نہ کر دینا۔ مہرروز کور شے کی بھنگ پڑ چکی تھی۔ وہ خود لہنی سے شادی کا خواباں تھا۔ اس نے میرے بھائی کے بارے معلومات خالہ یعنی میری مائی کو دیں اور خالہ نے امی کو بتایا۔ امی نے کہا۔ کسی کو غلط فہمی ہوئی ہے ، میرا بیٹا بازار حسن نہیں جا سکتا، یہ ناممکن بات ہے اور وہ بھی اتنی کم عمری میں... بہر حال امی نے بیٹے سے پوچھا بھی تو بھائی نے انکار کیا جس پر وہ خاموش ہو رہیں۔ خالو خاموش نہ رہ سکے۔ انہوں نے والد صاحب کے یہ بات گوش گزار کر دی۔ وہ تو پہلے ہی بیمار تھے ، ان کی حالت غیر ہو گئی۔ اب کلیم سے باز پرس لازم تھی ، اس نے صاف انکار کیا، تب ابا نے خالو کو بلا کر کہا کہ میاں ! تم کو غلط کسی نے کہا ہے ، میرا بیٹا وہاں کبھی نہیں گیا ہے ، یہ کسی دشمن نے اڑائی ہے۔ خالو بولے۔ ہاتھ کنگن کو ارسی کیا۔ یقین نہیں آتا تو آنکھوں سے دیکھ لو۔ ایسے تو تم مانو گے نہیں۔ وہ ابا کو اپنی کار میں اپنے ساتھ لے گئے اور وہاں انہوں نے اپنی آنکھوں سے بیٹے کو اس عورت کے گھر سے نکلتے دیکھا جو اپنی نام نہاد بیٹیوں کا حسن بیچتی تھی۔ والد سے برداشت نہ ہو سکا اور کلیم کو وہیں دھر لیا۔ اس وقت کلیم کے پاس صفائی پیش کرنے کا کوئی موقع نہ تھا۔ کار میں بٹھا کر کلیم کو گھر تو لے آئے ، آتے ہی اس پر جوتوں کی بارش کر دی۔ وہ بیٹے کی کوئی بات سنا ہی نہ چاہتے تھے۔ آنکھوں دیکھی کافی تھی۔ ابا چلا نہ سکتے تھے، پھر بھی چلا رہے تھے اور امی روتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ پیٹ بھر روئی نہیں ، اوپر سے صاحبزادے کے یہ لچھن !... امی، ابا نے بھیا سے ترک کلام کیا اور ہر تعلق بھی ختم کر لیا۔ ان کے اس رویے سے کلیم کا دم گٹھنے لگا۔ جو نہی وہ گھر میں قدم رکھتا، اس کو دیکھ کر سبھی کی صورتوں پر ماتم سی سوگواری پھیل جاتی۔ اس نے ساری بات اپنے استاد کو بتا دی۔ استاد بھی انسان ہوتے ہیں لیکن ان کی ذرا سی خطا ان کی شخصیت پر داغ لگا دیتی ہے۔ ان کو بھی اپنے شاگرد پر ائی افتاد کے بارے سن کر بہت دکھ ہوا۔ وہ ابا جان کے پاس آئے معافی طلب کی اور اصل وجہ افیون منگوانے کی بیان کی۔ انہوں نے کہا: آپ کا لڑکا بے قصور ہے ، مجرم میں ہوں جو چاہے مجھ کو سزا دیں۔ والد نے کلیم سے بات چیت تو شروع کر دی مگر وہ اب بہت رنجیدہ رہنے لگا۔ انہوں نے یہ بھی کہا: اگر کلیم کے خالو اور خالہ اس کو اپنی لڑکی کا رشتہ نہیں دیتے تو میں اس کی ایک اچھے گھرانے میں شادی کروا دوں گا۔ والد بیٹے کا سہرا دیکھنا چاہتے تھے۔ پروفیسر صاحب نے ان کو باور کرا دیا کہ ان کے جاننے والے خوشحال مگر نیک لوگ ہیں اور ان کو جہیز کا بھی لالچ نہیں ہے۔ والدین ان کی باتوں میں اگنے ، لڑکی دیکھنے ان کے ساتھ چلے گئے۔ لڑکی خوبصورت تھی، گھرانہ بھی خوشحال تھا۔ والدین نے کلیم کے لئے یہ رشتہ قبول کر لیا۔ امتحان ختم ہو گئے تو کلیم بھائی کی شادی اس لڑکی مہ جیس سے ہو گئی۔ کچھ دن اچھے گزرے۔ بعد میں لڑکی نے بھائی سے تقاضا کرنا شروع کر دیا کہ میرے والدین کی اولاد نرینہ نہیں ہے۔ استاد صاحب نے کہا تھا کہ شادی کے بعد تم میرے میکے چل کر رہو گے لہذا اب ہم اپنے والدین کے پاس چل کر رہتے ہیں۔ بھیا نے گھر داماد بننے سے انکار کر دیا تو ان کی بیگم روتے کر میکے چلی گئیں ، لاکھ منانے پر بھی نہ مانیں۔ انہوں نے وہاں ہی بیٹی کو جنم دیا۔ جب بیٹی کی پیدائش کی خبر ملی، کلیم بھائی نے نہ رہ سکے اور بیوی کے میکے چلے گئے اور اس کے بعد وہ لوٹ کر واپس گھر نہ آئے۔ خدا جانے ان لوگوں نے ان پر کیسا جادو کیا کہ انہی کے ہو رہے۔ اپنے ماں باپ اور تین بن بیابی بہنوں کو بھی تنہا چھوڑ دیا۔ امی مجھ سے کہتیں۔ ان سے تیری خالہ کا رشتہ کیا برا تھا۔ وہ لوگ بھی تو کلیم کو گھر داماد بنا کر رکھنا چاہتے تھے تبھی میں ان کو چھوڑ ادھر کو بھاگی تھی۔ مجھے کیا خبر تھی کہ یہ بھی میرے لڑکے کو مجھ سے چھین لیں گے۔ پتا ہوتا تو اپنی بہن سے ہی ناتا جوڑ لیتی مگر اب کیا ہو جب چڑیاں جگ گئیں کھیت !... ابا نے استاد صاحب سے جا کر فریاد کی۔ وہ لا تعلق بن گئے۔ کہنے لگے۔ میں نے تو کلیم اور آپ لوگوں کے لئے اچھا ہی سوچا تھا۔ اگر آپ کا بیٹا سسرال جا کر کر ان کا ہو گیا ہے تو اس میں میرا کیا قصور۔ قصور تو آپ کے اپنے بیٹے کا ہے۔ قصہ مختصر ، انت یہ ہوا کہ ہم نے خالہ کا دامن چھوڑ کر اپنے بھائی کو گھو دیا۔ قبل از وقت لہنی کو برا جانا حالانکہ اس وقت وہ صرف چودہ، پندرہ کی کمسن لڑکی تھی، بعد میں جب باشعور ہو گئی تو بہت اچھی بالاد اور پیار کرنے والی لڑکی ثابت ہوئی۔ وہ مجھ سے کہتی کہ تمہارے بھائی کو میں دل سے پسند کرتی تھی، انہی سے شادی کرنا چاہتی تھی لیکن آپ لوگوں نے مجھ کو نہیں سمجھا اور جب کلیم کی شادی اور جگہ ہو گئی، میرا دل توٹ گیا۔ میں نے تب شادی نہ کرنے کا تہیہ کر لیا، سب رشتے ٹھکرا کر صرف پڑھانی کی طرف دھیان دیا ، خود کو پڑھانی میں گم کر لیا۔ عہد کیا کہ پسند کا جیون ساتھی نہ ملا تو ڈاکٹر بن کر زندگی کو کامرانی سے ہمکنار کروں گی۔ خوب محنت کی اور ڈاکٹر بن گئی۔ لہنی آج بھی ہم سے پیار سے ملتی ہے ، شاید اس کو اس کا آئینیل نہیں ملا۔ اب تک بھی اس نے شادی نہیں کی لیکن وہ ایک کامیاب ڈاکٹر ہے ، اپنے پیشے میں ماہر سمجھی جاتی ہے۔ خوب کمایا ہے زندگی میں ، کسی شے کی کمی نہیں۔ اگر کوئی کمی ہے تو بس یہی ہے کہ اس نے شادی نہیں کی اور گھر نہیں بسایا ہے۔ جب کسی جوڑے کو اپنے بچوں کے ہمراہ

ہنستے ہوئے کہتی ہے۔ ہنستے مسکراتے دیکھتی ہے تو اداس ہو جاتی ہے۔ تب اپنے دکھ پر مرہم رکھنے کو پھیکی ہنسی
کیا ہوا کہ میرا گھر بچوں سے خالی ہے، وارڈ کے سارے بچے میرے ہی تو بچے ہیں۔ بے شک! وہ ایک
بہت اچھی بات کہہ کر اپنی محرومی کے زخموں پر مرہم رکھنے کی کوشش کرتی ہے مگر میں سوچتی
ہوں، عورت چاہے جتنی کامیابی کی منزلوں کو طے کر لے، وہ رہتی تو عورت ہی ہے، گھر بار، شوہر
اور بچوں کے بغیر عورت کی زندگی ادھوری ہی رہتی ہے جس کا افسوس وقت گزرنے کے بعد ضرور
ہوتا ہے۔“]